© rasailojaraid.com

ایمان اور حیاتِ اجتماعی[۱]

از عبد الحمید صدیقی

فرد اور معاشرہ کے مابین تعلق کی نوعیت خاصی پیچیدہ ہے۔ اور کسی ایسی حدِ فاصل کا تعین آسان نہیں جو فرد اور معاشرہ کے حدود عمل کو واضح کر سکے اس لیے کہ جو چیز فرد پر اثر انداز ہوتی ہے وہی معاشرہ پر بھی اپنے اثرات مترتب کرتی ہے۔ اور یہ معاشرہ ہے کیا؟ افراد کے مجموعہ ہی کا تو نام ہے۔ افراد جن اعمال و اخلاق اور جس سیرت و کردار کے حامل ہوں گے معاشرہ میں بھی وہی روح جاری و ساری ہوگی۔ اس تعلق کو ہم ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں۔ دیوار، اینٹیں چن کر تعمیر کی جاتی ہے۔ اینٹیں اگر کچی ہوں گی تو دیواریں ناپختہ ہوں گی اور اگر اینٹیں پختہ ہوں اور انہیں ایک دوسرے سے پیوست کرنے والا مواد یعنی ریت اور سیمنٹ کی مناسب مقدار سے مرکب ہو تو دیوار بھی یقیناً پختہ ہوگی۔

پس ایک بنیانِ مرصوص کی تعمیر کا خواب اُس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک خوب مستحکم اور مضبوط اینٹیں موجود نہ ہوں۔ کسی معاشرے کی تعمیر میں افراد اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ گزشتہ مباحث میں ہم نے فرد کی زندگی پر ایمان کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح سے پہلے فرد کی اصلاح کا سامان کیا جائے۔ اب اس پر ہم اتنا اضافہ اور کریں گے کہ کوئی فرد اگر انفرادی طور پر سکونِ قلب، نعمتِ ایمان اور محبت و استقامت کے اوصاف سے متصف ہو بھی جائے تو سعادت کے مرتبۂ کمال سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہ مقام بلند ایک فرد کو حقیقتاً اُسی وقت نصیب ہوتا ہے جب پورا اجتماعی ماحول نہ صرف ان صفات کے لیے سازگار ہو بلکہ انہیں پروان چڑھانے میں ممد و معاون ہو۔

ایک اچھے معاشرہ کی سب سے نمایاں خوبی افراد کا باہمی ربط و ضبط ہے۔ اسی کے ذریعے افراد کے

---

[۱] یہ مضمون یوسف القرضاوی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مابین محبت و یگانگت کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے دمساز بن کر رہتے ہیں۔ نہ کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے اور نہ سنگدلانہ برتاؤ۔ بہترین اور سعادتمند معاشرہ میں دولت سے بہرہ ور لوگ محروم طبقہ کو فراموش نہیں کرتے، ماثر در سوخ اور قدرت و طاقت کے مالک کمزوروں کو نظرانداز نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی معاونت اور دستگیری کرتے ہیں۔

بدترین چیز جو کسی معاشرہ کو لاحق ہوتی ہے وہ انتشار و تشتت اور باہمی روابط کا فقدان ہے۔ اور یہ صورت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد خود غرضی میں مبتلا ہو جائیں۔ وہ اپنی ذات اور اپنے مفادات کو تو یاد رکھیں مگر اپنے بھائی کا مطلق خیال نہ کریں۔ بلکہ اُسے اپنی اغراض کی بھینٹ چڑھانے سے بھی دریغ نہ کریں۔ اسی طرح وہ وقت بھی کسی معاشرہ کے لیے بہت برا وقت ہوتا ہے جب افراد اپنے حقوق کے لیے لڑیں مگر اپنے فرائض سے غافل ہوں نیز اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھیں اور دوسری مخلوقِ خدا کو بنظرِ حقارت دیکھیں اس کے برعکس دوسری چیز جو اپنی قباحت میں متذکرۃ الصدر سے کسی طرح بھی کم نہیں یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے احساس سے ہی یکسر محروم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اسے شرف عطا کیا ہو، جو قوت و طاقت اُسے تفویض کی ہو اور جن انعامات سے اُسے نوازا ہو۔ وہ ان کا شعور و ادراک ہی نہ رکھتا ہو یا ان صلاحیتوں کو مہمل اور معطل کر کے بیٹھ جائے تو یہ چیز بھی انسان کی شخصیت کو نقصان پہنچاتی ہے اور انسان مستقل طور پہ کمزوری و دوں ہمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اِس بات کی ہے کہ افرادِ معاشرہ کے مذکورہ بالا دونوں انتہا پسندانہ نظریات کے درمیان ایک ایسی حدِ وسط تلاش کی جائے کہ افراد اپنی ذات کا احساس بھی رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے حقوق و واجبات بھی تلف نہ ہوں۔ یعنی معاشرہ بھی مستحکم بنیادوں پر قائم رہے اور فرد کی شخصیت کی نشو و نما بھی صحیح انداز سے ہو سکے۔

ایسی حدِ وسط کا تعین کچھ اصول و ضوابط کا مقتضی ہے جن کے بغیر تعلقات و معاملات میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا، جن کے بغیر انسانی جبلت عقل کے خلاف اور قوت و طاقت حق و صداقت کے خلاف اقدام کرنے سے باز نہیں رہ سکتی۔ اور جن کے بغیر ذاتی منفعت کا جنون اجتماعی مصالح کے پیش نظر اپنی حدود سے تجاوز کر سکتا ہے۔ ایسے اصول و ضوابط یکسر اخلاقی بنیادیں رکھتے ہیں۔ ان کا مصدر و ماخذ انسان کا قلب و ضمیر ہوتا ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم اِس امر سے بحث کریں گے کہ معاشرے پر ایمان و اخلاق کے کیا اثرات مترتب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں۔ اور ایمان کے زیر اثر نشو و نما پانے والے اخلاق کیونکہ انسان کو ایک ایسی بلند سطح تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک مادی اخلاق کے علمبرداروں کی رسائی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

ایمان اور اخلاق

کیا طبیعت و جبلت اجتماعی زندگی کی رہنمائی کے لیے کافی ہے؟ جب ہم حیوانات کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کی زندگی کے لیے محض جبلی رہنمائی کافی ہے۔ چیونٹیوں یا شہد کی مکھیوں کو دیکھئے۔ کتنے حیرت انگیز طریقے سے یہ حشرات اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور آنے والے وقت کے لیے اس کے مناسب ذخیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا ہر فرد ایک نظم کا پابند ہوتا ہے اور اپنا اپنا فرض ـــــ دوسرے افراد کے فرائض میں رکاوٹ پیدا کیے بغیر ـــــ بجا لاتا ہے۔ یہی حال دوسرے جانوروں کا بھی ہے۔ پرندوں کے اڑتے ہوئے غول، ڈھور ڈنگروں اور مویشیوں کے ریوڑ، جنگلات میں درندوں کی منظم زندگی اور سمندروں کی تہوں میں مچھلیوں اور دوسری بے شمار انواع حیوانات کی یکجائی ـــــ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ حیوانات کا اجتماع ان کی فطری و جبلی رہنمائی کے تابع ہوتا ہے۔

لیکن انسانوں کا معاملہ ان سے یکسر مختلف ہے۔ جبلت کے اعتبار سے حیات انسانی اپنے اندر متعدد پہلو رکھتی ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے اس کے اندر جذبہ انانیت موجزن ہوتا ہے جو اسے اپنی ذات سے غیر معمولی محبت پر ابھارتا ہے مگر اسی جبلت کا دوسرا مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بنی نوع انسان سے کٹ کر زندہ رہنا گوارا نہیں کرتا۔ ابنائے جنس کے درمیان رہ کر وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں کے لیے بڑے سے بڑا ایثار کرنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے۔

برطانوی فلسفی برٹرنڈ رسل نے کہا ہے "انسان کے جذبات و خواہشات کا معاملہ بڑا پیچیدہ ہے۔ اور اسی پیچیدگی سے نت نئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی زندگی نہ تو صرف اجتماعی رنگ لیے ہوئے ہے جیسے چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی زندگی اور نہ صرف انفرادی رنگ جیسے شیر ببر اور چیتے کی زندگی۔ اس کی حیات کا کچھ حصہ اجتماعیت آشنا ہے جبکہ کچھ حصہ انفرادیت پسندانہ۔ اس کی طبیعت میں حیاتِ اجتماعیہ

© rasailojaraid.com

کی طرف میلان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ خلوت و تنہائی کو بسا اوقات انسان ایک شدید عقوبت خیال کرتا ہے۔ دوسری طرف زندگی کا انفرادی رنگ بھی اسے محبوب ہوتا ہے جب بعض خاص امور و مفادات اس کے داعی ہوں۔ بنا بریں ہمیں کچھ اخلاقی حدود و قیود وضع کرنے ہوں گے تاکہ تصرف و اختیار کے دوائر متعین ہو سکیں۔"

آپ کا کیا خیال ہے اخلاق کے وہ صحیح حدود و قیود اور قواعد و ضوابط کون وضع کر سکتا ہے؟ اور کیا چیز ٹھیک ٹھیک ان کے مطابق حیاتِ انسانی کی گاڑی کو چلا سکتی ہے! کیا یہ کام قانون کر سکتا ہے؟ یا کوئی فلسفۂ اخلاق؟ یا پھر دین و ایمان؟ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان پہلوؤں کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالیں۔

تنہا قانون انسانی زندگی کو منضبط نہیں کر سکتا

اس میں کچھ شک نہیں کہ قانون ایک طاقت ہے اور اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لیے ناگزیر ہے۔ لیکن انسانی زندگی پر پوری طرح یہ اس لیے حاوی نہیں کہ اس کا تعلق صرف ظاہر سے ہوتا ہے باطن سے نہیں۔ نیز یہ امورِ عامہ سے بحث کرتا ہے اور خاص حالات کا اس میں لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پھر قانون میں یہ سقم بھی ہے کہ وہ مجرم کو سزا دیتا ہے مگر محسن اور نکوکار کے صلہ کا کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں قانون کی گرفت سے لوگ حیلے بہانے کے ذریعے بچ بھی جاتے ہیں۔ اور قانون میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ مجرمانہ ذہنیت کا کماحقہٗ تعاقب کر سکے۔ پس جب جرم کے سدباب میں قانون عاجز سا نظر آتا ہے تو عملِ صالح اور امورِ خیر و فلاح کی ترغیب میں تو اس کا عجز اور بھی نمایاں ہونا چاہیے۔

قانون میں عدل و انصاف اور حق و صداقت سے زیادہ سے زیادہ مطابقت پیدا کرنے کے باوجود اس میں ایسی کوئی ذاتی قدرت پیدا نہیں ہوتی جو لوگوں سے اس کی پابندی کرا سکے الا یہ کہ حکومت کی طاقت اس کے پیچھے ہو۔ اور جہاں تک حکومت کی طاقت کا سوال ہے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ ہر حال میں ظلم کے استیصال اور عدل کے فروغ دینے کے لیے ہی کوشاں رہے گی۔ کیونکہ اربابِ حکومت بھی انسان ہی ہوتے ہیں جنھیں نشۂ حکمرانی اکثر و بیشتر راہِ راست سے بھٹکا دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ قانون سازی کرتے ہیں تو اپنے مفادات کو تحفظ دیتے ہیں اور اپنے خیالات و نظریات کو اس میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ کوئی انسان بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ زندگی کے جملہ پہلوؤں پر اس کی نظر پوری جامعیت کے ساتھ پڑتی ہو۔ اس کے خیالات و نظریات تمام تر صحیح اور حقائق پر مبنی ہوں اور اپنی خواہشات و مفادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بے تعلق رہتے ہوئے وہ کما حقہٗ غیر جانبداری کے ساتھ قانون وضع کر سکے۔ پس جو قانون یہ بنیادی کمزوریاں اپنے اندر رکھتا ہو کون انسان اور کونسا معاشرہ اُس پر مطمئن ہو سکتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو اُس کے تسلط میں دینے کے لیے تیار رہے۔

فلسفۂ اخلاق بھی کافی نہیں یہی حال فلسفۂ اخلاق کا بھی ہے۔ کوئی اخلاقی فلسفہ معدودے چند افراد کو تو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے پورے معاشرے کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فلسفی کا اپنا فلسفۂ اخلاق ہوتا ہے اب لوگ کس کی پیروی کریں۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان میں سے کسی فلسفہ کے پیرو کی جزا کیا ہے؟ کیا عقل و دل اسی پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یا وہ محض ایک سراب ہے جسے پانی سمجھ کر پیاسا اس کی طرف لپکتا ہے۔ اُس نامعلوم سپاہی کی کیا جزاء ہے جو سب کی خدمت کے لیے کام کرتا ہے حالانکہ اُسے نہ کوئی دیکھتا ہے نہ جانتا ہے اور اسے بدلہ دینے کی کسی کو فکر نہیں! اپنی قوم اور اپنے خاندان کے لیے جان کی قربانی پیش کرنے والے کی کیا جزا ہے جو ان کا دفاع کرتے ہوئے لڑتا اور مظلومیت کی موت مرتا ہے۔ یہاں جس راحتِ ضمیر کا فلسفہ اخلاق کے علمبردار ذکر کرتے ہیں۔ اس کا کوئی وجود بھی ہے؟ دوسری طرف ساری عمر ظلم و ستم روا رکھنے والے کی سزا کیا ہے؟ اور وہ جو دل کی معمولی کھٹک کے بغیر من مانیاں کرتا ہے اس کے لیے اس بے قید اور بے لگام زندگی پر کوئی تعزیر بھی ہے؟

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں جس چیز کو مسترد کیا ہے وہ فلسفیوں کے تصوراتِ اخلاق ہیں۔ لیکن جہاں تک دین و مذہب کے بیان کردہ محاسنِ اخلاق کا تعلق ہے اُن کی اہمیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ وہ ترقی یافتہ فرد کی بنیاد اور مہذب معاشرے کی جان ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر زندگی، زندگی نہیں رہتی قرآن میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ جو تعریف کی گئی ہے اس کی بنیاد یہی اخلاق ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور خود رسولِ پاک نے اپنے پیغامِ ہدایت کو چند الفاظ میں یوں سمویا ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ — میرا مقصدِ بعثت یہ ہے کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

ایک اور حدیث نبوی میں ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ — اہلِ ایمان میں سب سے زیادہ مکمل ایمان اُس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات و احادیث سے دین میں اخلاق کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

دین، اخلاق کی طرف محض دعوت دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اخلاق کی بنیاد پر اصول و ضوابط وضع کرتا ہے۔ حدودِ اخلاق کی نشاندہی کرتا ہے۔ زندگی کی جزئیات تک کے لیے اخلاقی نمونوں کے انبار لگا دیتا ہے اور ان پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنے کی زوردار تلقین کرتا ہے۔ اسے اصولِ اخلاق سے انحراف قطعاً گوارا نہیں ہو۔ نیز واضح طور پر بتاتا ہے کہ انحراف کرو گے تو دنیا و آخرت میں یہ سزا ملے گی اور اصولِ اخلاق کی پاسداری پر دونوں جہانوں میں یہ جزا ملے گی۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دین کے بغیر تکمیلِ اخلاق ممکن نہیں اور اخلاق کے بغیر کسی قانون کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

عقیدہ و ایمان معاشرتی و اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولِ اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے گذشتہ سطور میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ نہ تو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں ملتے ہیں اور نہ فلاسفہ کی پُرپیچ بحثیں اُن تک رہنمائی کرتی ہیں۔ ان کا سراغ اگر کہیں ملتا ہے تو دامنِ ایمان میں ملتا ہے۔ ایمان اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ حیاتِ دنیا کا مقصود خواہشاتِ نفس کی تکمیل نہیں۔ نہ شکم پروری اور لذت کام و دہن کا اصول انسانی زندگی کی غایت ہے۔ کسی قسم کے تعصب کو بھی وہ انسان کا نصب العین نہیں بننے دیتا اور مکر و فریب اور فتنہ و فساد کی آلائشوں سے بھی انسانی زندگی کو پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ ایمان جو مقصدِ حیات انسان کے سامنے رکھتا ہے وہ نہایت ارفع و اعلیٰ مقصد ہے یعنی اللہ سے قریب ہونا اُس کے ضابطوں کی پابندی کرنا اور اس کی خوشنودی کے لیے تگ و دو کرنا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں:[1]

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ
النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ
الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ

لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس —— عورتیں،
اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،
مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنادی
گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے
سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو
اللہ کے پاس ہے۔ کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان

---

[1] سورۂ آل عمران ۳: ۱۴-۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَاَزْوٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ اَلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ اَلصّٰبِرِينَ وَالصّٰدِقِينَ وَالْقٰنِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْاَسْحَارِ ۝

سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے۔ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اللہ اپنے بندوں کے رویے پہ گہری نظر رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: مالک ہم ایمان لائے ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچا لے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں۔ راستباز ہیں فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔

آیت پاک میں جن اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے وہ دراصل ثمرات ہیں اُس اخلاق کے جو ایمان کے زیر اثر نشوونما پاتا ہے۔ اور جس سے مسلم معاشرہ کا ہر فرد متصف ہوتا ہے۔ پس محاسنِ اخلاق سے ہر فرد کا مزین ہونا گویا بہترین معاشرہ کی بنیادوں کا مضبوط و مستحکم ہونا ہے۔

اخلاق الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مقامِ الوہیت پہ فائز ہو سکے۔ یہ چیز نہ مطلوب ہے نہ ممکن۔ مقصود صرف یہ ہے کہ انسان حیوانیت کی سطح سے بلند ہو جائے اور حضرت حق کے مبدأ فیض سے اخذ و استفادہ کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں انسان کو بھی چاہیے کہ علم و حکمت کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہیں انسان بھی اپنے اندر جذبۂ رأفت و رحمت پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ غنی و کریم ہیں انسان بھی اپنی طاقت کے مطابق غنیٰ و کرم کے اوصاف سے متصف ہو۔ اللہ صبور و حلیم ہیں انسان بھی مقدور بھر حلم و صبر سے کام لے۔ اللہ تعالیٰ جبار و متکبر ہیں انسان بھی طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں کمزور و دوں ہمت ثابت نہ ہو اور دنی الاخلاق اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بداعمال قسم کے لوگوں سے مرعوب و متاثر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بڑا زبردست اور انتہائی سخت گیر ہے۔ انسان کو بھی چاہیے کہ وہ کفار و مشرکین کے لیے بڑا شدید اور مفسدین کی راہ روکنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ شکر کی قدر کرنے والے اور خطا کاروں کو معاف فرمانے والے ہیں انسان کا بھی کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ حسن سلوک کرنے والوں کا قدرداں ہو اور معذرت چاہنے والوں سے درگذر کرے۔ اللہ تعالیٰ کبھی راہِ راست سے انحراف نہیں فرماتے انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ ہمیشہ جادۂ مستقیم پر گامزن رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت شانِ کمال رکھتی ہے۔ اور وہ ذات ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے منزہ ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو نقائص اور عیوب سے پاک کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔

اب فرمائیے کہ جس معاشرے کے افراد کے سامنے یہ اخلاقِ الٰہی ہوں کیا اُن کے اندر کوئی خرابی یا بگاڑ رونما ہو سکتا ہے۔ اور کیا ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جو نورِ حق سے منور نہ ہو۔ اور نفوس و طبائع انسانی کے لیے اخلاق اللہ سے زیادہ موثر کوئی اور چیز بھی ہے جس کی تاثیر کی انہیں حاجت ہو اور جس کے لیے انہیں دائرہ دین و ایمان سے باہر قدم رکھنا پڑے؟ ظاہر ہے کہ ایسی کسی چیز کا انفس و آفاق میں کہیں وجود نہیں۔

(بقیہ اشارات)

انہیں ایک قوم بنایا ہے وہ رشتہ معطل اور کمزور ہو جائے اور اس کی جگہ نسلی اور لسانی تعصبات کو سر اٹھانے کا موقع ملے اور اس طرح اس قوم کا شیرازہ بالکل منتشر ہو کر رہ جائے اور غیر ملکی طاقتیں ان چھوٹی چھوٹی قومیتوں کو بڑی آسانی سے ہڑپ کر سکیں۔ سقوطِ ڈھاکہ کے موقع پر اندرا گاندھی اور اس کے ہمنوا بت سے دوسرے مغربی مفکرین اور سیاستدانوں نے جن خیالات اور تاثرات کا اظہار کیا تھا وہ الفاظ کے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ قریب قریب یہی تھے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دورِ جدید میں مذہب کی اساس پر کسی ملک کا قیام خیال خام ہے۔

پاکستان میں اسلام کے خلاف سازش کی دوسری کمین گاہ غیر اسلامی ادب اور ثقافت ہے۔ اشتراکی خیالات رکھنے والے ادیبانے عوام کے ذہنوں کے اندر انتشار پیدا کرنے اور انہیں دائرہ اسلام سے نکال کر مارکس اور لینن کا حلقہ بگوش بنانے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ شعائر اسلام کا مذاق اُڑایا، علماء کی

© rasailojaraid.com